اقتصادی جہات' میں اس بات کا مدلّل جواب دیا ہے۔ 'الغرانیق العلیٰ' والے مشہورِ عام واقعہ کے ضمن میں انہوں نے لکھا ہے کہ ''مشرکانہ الفاظ حضورؐ کی زبان پر جاری ہو گئے تھے، بعد میں جبرئیلؑ نے آ کر تنبیہ کی'' (ص ۶۶۔۶۷) یہ واقعہ اگر چہ کتبِ سیرت میں ملتا ہے، لیکن محققین کے نزدیک اس کی بیش تر تفصیلات من گھڑت ہیں۔ امہات المومنین کے انھوں نے دو گروپ قرار دیے ہیں: ایک اعلیٰ طبقہ، جس کی قیادت حضرت ام سلمہؓ کر رہی تھیں اور دوسرا متوسط طبقہ، جس میں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ وغیرہ تھیں۔ ان کے مطابق ان گروپوں میں کش مکش ہوتی رہتی تھی۔ یہ بیان حقیقتِ واقعہ سے میل نہیں کھاتا۔ فتحِ مکہ کے ضمن میں وہ بیان کرتی ہیں کہ ''خانۂ کعبہ کے اندر حضرت عیسیٰؑ اور مریم کی تصاویر بنی ہوئی تھیں۔ آپؐ نے انہیں صاف کرنے سے منع کر دیا۔'' (ص ۱۸۸) حالاں کہ کتبِ حدیث وسیرت میں صراحت ہے کہ آپؐ نے انہیں مٹوا دیا تھا۔ جس سفر میں صلحِ حدیبیہ ہوئی تھی اس کے تذکرہ میں وہ بار بار لکھتی ہیں کہ ''آپؐ حج کے ارادے سے نکلے تھے۔'' (ص ۱۶۴۔۱۶۵) حالاں کہ اس میں آپؐ نے عمرہ کا قصد کیا تھا۔ ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہؓ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ وہ قبیلۂ عامر کے سردار کی بیٹی تھیں۔ ان کے شوہر غزوۂ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ اس سردار کا نام ابو براء لکھا ہے اور اسے حضور کا خسر بتایا ہے۔ (ص ۱۴۰۔۱۴۱) یہ سب باتیں غلط ہیں۔ حضرت زینبؓ کے شوہر غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے۔ کتبِ سیرت میں عثمان بن طلحہ (کلید بردارِ کعبہ) سے حضورؐ کی گفتگو دو مواقع کی منقول ہے: ایک عہد مکی میں، جب حضور کے کنجی مانگنے پر اس نے دینے سے انکار کر دیا تھا اور درشتی سے جواب دیا تھا۔ دوسرے فتحِ مکہ کے موقع کی۔ مصنفہ نے دونوں گفتگوؤں کو خلط ملط کر کے ایک ساتھ فتحِ مکہ کے موقع پر بیان کیا ہے۔ (ص ۱۹۲) سفر طائف سے واپسی پر مکہ کے جس سردار نے آپؐ کو 'جوار' عطا کی تھی، اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کا نام نوفل تھا اور وہ قبیلۂ مطعم کا سردار تھا۔ (ص ۸۸) صحیح یہ ہے کہ ان کا نام مطعم بن عدی تھا اور وہ قریش کے قبیلے عبد مناف سے تھے۔ قبل بعثت جو حضرات 'دینِ حنیف' پر قائم تھے ان میں سے ایک کو زید بن عمر کا بھتیجا لکھا ہے۔ (ص ۴۴) حالاں کہ ان کا نام زید بن عمرو بن نفیل تھا۔ ام المومنین حضرت

میمونہؓ کو حضرت عباسؓ کی بہن قرار دیا ہے۔(ص ۱۸۲) حالاں کہ وہ ان کی سالی تھیں۔ اس کے علاوہ مصنفہ کی اور بھی فروگزاشتیں ہیں، جن کا اس تبصرے میں احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ مصنفہ کے افکار کے جائزے پر بعض مقالات لکھے گئے ہیں اور کتابیں تصنیف کی گئی ہیں، مثلاً بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی کے سیرت سمینار ۲۰۱۱ء میں محترمہ سمیہ اطہر نے مصنفہ کی تصانیفِ سیرت کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ پیش کیا تھا(اس سمینار کے مقالات کا مجموعہ شائع ہو گیا ہے۔) اور جناب محمد اسماعیل بدایونی کی کتاب 'استشراقی فریب' اسلامک ریسرچ سوسائٹی کراچی سے شائع ہوئی ہے۔

فاضل مترجمین نے کتاب کا بہت رواں اور شستہ ترجمہ کیا ہے، جس پر وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ انہوں نے جابجا مصنفہ کے بیانات پر استدراکات اور توضیحی نوٹس لکھے ہیں، لیکن انہیں کتاب کے متن ہی میں قوسین میں درج کر دیا ہے۔ بہتر تھا کہ ان کا اندراج الگ سے حواشی میں کیا جاتا۔ شخصیات اور جگہوں کے ناموں کے تلفظ میں مترجمین سے بڑی فاش غلطیاں ہوئی ہیں۔ مثلاً (قوسین میں صحیح لفظ لکھ دیا گیا ہے) ابوالدغنہ (ابن الدغنہ) مارور (معرور) نخلع (نخلہ) قیلیح (قیلہ) عقبہ بن ربیعہ (عتبہ) محمد بن سعید (سعد) ابو جریر طبری (ابن جریر) جہیم (جحیم) سلّام بن مشکان (مشکم) صفوان بن المعتل (المعطل) مریسی (مریسیع) سفیان بن امیہ (صفوان) حلیت (حلیس) قبیلۂ جمع (جمح)۔ یہودی قبیلہ 'بنونضیر' کو ہر جگہ 'نذیر' اور 'بنوقریظہ' کو بیش تر جگہوں پر 'قریضہ' لکھا گیا ہے۔ کتاب کا ترجمہ شروع کرنے سے پہلے اگر سیرت پر کسی اردو کتاب کو غور سے پڑھ لیا گیا ہوتا تو یہ غلطیاں نہ ہوتیں۔ عربی شاعر کہتا ہے ھل أنا الامن غزیّة ... کہ میں تو قبیلہ غزیہ کا ایک فرد ہوں۔ اس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے: ''میں تو غازیوں میں سے ایک ہوں۔'' (ص ۲۴)

اس کتاب کے ترجمے پر مترجمین اور ناشر مبارک باد کے مستحق ہیں۔ امید ہے ، اگلے ایڈیشن سے قبل مذکورہ فروگزاشتوں کو درست کرلیا جائے گا اور مصنفہ کی غلطیوں پر بھی توضیحی نوٹس کا اضافہ کردیا جائے گا۔ (محمد رضی الاسلام ندوی)

تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اسلام کا کردار مرتبین: ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی

مولانا محمد جرجیس کریمی

ناشر: ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ، ۲۰۱۵ئ، صفحات: ۸۳۸، قیمت: ۶۰۰

اس مجموعۂ مقالات میں، جو اردو کے ۳۶ مقالات پر مشتمل ہے، سبھی اسلامی و غیر اسلامی تہذیبی وسیاسی افکار کا تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے اور تاریخ بھی، اسلام کے مثبت کردار کو دلائل سے مزین کیا گیا ہے اور معترضین کے اعتراضات کی تردید اور علمی تنقید بھی کی گئی ہے۔ متعدد موضوعات پر سیر حاصل مواد فراہم کیا گیا ہے، سیاسی نظام اور تہذیبی رویوں پر معاندین اسلام کے اعتراضات کا اچھا علمی جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ یہ ادارۂ تحقیق کا حق تھا کہ وہ 'تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اسلام کے کردار' پر اچھا لٹریچر فراہم کرے۔ یہ کام ایسے دور میں ہوا جب امت میں تشکیکی مزاج کی تشکیل کے لیے ایک طبقہ متحرک ہے، وہ اسلام کی قائدانہ صلاحیت سے اعتماد اٹھا دینے پر آمادہ، تاریخ کو مسخ کرنے کی مذموم کوشش میں مشغول اور اسلامی تہذیب کو سماج کے لیے غیر معقول اور ایک مصیبت کے طور پر پیش کرنے پر مصر ہے، مختصر یہ کہ اسلامی نظام حیات پر چہار جانب سے بڑے تیکھے حملے کیے جا رہے ہیں۔ اس صورت حال میں ادارے نے تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اسلام کے واضح اور بے مثال اثرات کو نمایاں کرکے گویا فرض کفایہ ادا کیا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ اس مجموعہ کے منتخب مقالات کو انگریزی و ہندی میں بھی شائع کیا جائے۔

اسلام ایک مکمل دین اور قیامت تک کے لیے آخری دستور حیات ہے، اسی لیے اس میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو انسانی زندگی کی تکمیل وتعمیر اور امن وسکون فراہم کرنے کا ذریعہ بن سکیں۔ اسلام کا یہ امتیاز ہے کہ وہ جس چیز سے روکتا ہے اس کا بدل فراہم کرتا ہے یا اس کی اصلاح کرکے اسے اسلامی رنگ دے دیتا ہے۔ تہذیب اسلامی کی یہ خصوصیت سب سے اہم ہے کہ اس کی وسعتیں زمان ومکان کی ظاہری حدود

سے بالا ہو کر ملکوں اور قوموں کو اپنی آغوش عدل و مساوات میں سمیٹتی چلی گئیں، علم وادب، سیاست وحکومت، صنعت وحرفت، غرض ہر میدان میں اسلامی رنگ نظر آنے لگا۔ اسلام نے اپنے اثرات سب پر ڈالے، لیکن دوسروں کے تہذیبی رویوں کو من وعن قبول کرنے کے بجائے ان کا اسلامائیزیشن Islamization کر دیا۔ اس نے عدل ومساوات پر مبنی صالح تہذیبی رویوں اور سیاسی نظام سے انسانی دنیا کو آشنا کیا۔ اس لیے مسلمانوں کو حق ہے کہ وہ اپنے تہذیبی ورثہ اور سیاسی نظام پر فخر کریں۔ ضرورت ہے کہ اس کی ترویج وترقی کے ذرائع سے ازسرنو بحث کی جائے اور نئی نسل کا اس پر اعتماد بحال کیا جائے۔ یہ مقالات اس موضوع پر قیمتی معلومات فراہم کرتے ہیں۔

اس مجموعہ سے یہ بات مترشح ہے کہ تہذیب وسیاست لازم ملزوم ہیں اور یہی صحیح بھی ہے۔ کیوں کہ اسلام کو اقتدار کی ضرورت ہے، اگرچہ وہ مقصود نہیں ہے۔ قرآن نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لیے تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر کی تعبیر اختیار کی ہے اور بلاغت کے رمز شناس جانتے ہیں کہ امر ونہی کی تعریف ہی یہ ہے کہ استعلاء کی بنا پر کسی کام کا حکم دیا جائے یا کسی کام سے روکا جائے۔ فی الحقیقت جب سیاسی بالادستی حاصل ہوتی ہے تو تہذیب وتمدن کو پنپنے کا موقع ملتا ہے، متعدد مفکرین بہ شمول احمد امین وغیرہ نے اس نکتہ پر خامہ فرسائی کی ہے کہ جو قوم غالب ہوتی ہے اسی کی تہذیب اور اسی کے نظام کا سکہ چلتا ہے۔ آج کے عالم اسلام کا مشاہدہ اس بیان کو صادر کرتا ہے کہ عالم اسلام میں کوئی ایک ملک ایسا نہیں جہاں اسلام کا مکمل مؤحدانہ نظام پورے طور پر نافذ العمل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تہذیب کا وہ رنگ، جو مطلوب و مقصود ہے، مفقود نظر آتا ہے، کیوں کہ عالمی نظام کا تسلط اور ہماری سیاسی مغلوبیت ہمارے نظام کے رائج ہونے سے مانع ہے۔

تہذیب وسیاست کا باہمی رشتہ بہت گہرا ہے۔ اس خیال کو اس سے بھی تقویت ملتی ہے کہ تہذیب وتمدن اور مدنیت جیسی تعبیرات کے ذریعہ کسی بھی قوم کی علمی ترقی اور اس کے وسائل کی زیادتی، جو حکومتی نظام سے مربوط ہوتے ہیں، ان کے نتیجہ میں ہونے والے

تعمیری نشاط اور اس کے نتائج کو بیان کیا جاتا ہے۔ ان تعبیرات کے استعمال سے حکومت کی وسعت، ثروت وخوش حالی کی فروانی اور اس سے متعلق اسباب تہذیب سے بحث کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں ایک اہم مقالہ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب کا اس مجموعہ میں شامل ہے، جس سے تہذیب وسیاست کا رشتہ بھی معلوم ہوتا ہے اور تہذیب واقدار کے علم بردار داعی کے لیے سیاسی شعور کی ضرورت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ البتہ مقالہ نگار کے اس خیال سے اتفاق ممکن نہیں، جو انہوں نے مولانا مودودیؒ کی کتاب 'قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں' پر مولانا علی میاںؒ کی تنقید کے حوالے سے ظاہر کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ: "... راقم سطور کو اس کی علمیت کے باوصف یہ اختلاف خواہ مخواہ کی کج بحثی اور حرف ومعنی کا متکلمانہ انداز معلوم ہوتا ہے۔' میرے نزدیک سے یہ بات صحیح نہیں۔ اس بحث میں معتدل نقطۂ نظر ڈاکٹر اسرار احمد کا ہے جسے ناچیز غیر جانب دارانہ اور حقیقت پسندانہ سمجھتا ہے۔ انھوں نے 'میثاق' میں لکھا تھا کہ: "مولانا مودودی نے اس بحث میں افراط سے کام لیا ہے، جب کہ مولانا علی میاں کی تنقید میں تفریط ہے"۔ یہ صحیح ہے کہ روحانیت کے فقدان اور حکومت کے قیام کو مقصد قرار دینے کی نفی میں مولانا کی اس تحریر میں کچھ تفریط نظر آتی ہے، لیکن ایسا کیوں ہوا؟ یہ بھی واضح ہے کہ افراط کی تردید میں ہوا۔

یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ اسلامی تہذیب وسیاست کی بنیاد، بلکہ تمام تر شعبہ ہائے زندگی کی اصل روح ذکر الٰہی، معرفت خالق اور فکر معاد ہے۔ اس مجموعہ میں شامل متعدد مقالات میں اس جانب اچھی توجہ کی گئی ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ اسلامی تہذیب وسیاست کی بنیاد توحید پر ہے، اس کا دین وعقیدے سے گہرا تعلق ہے اور اس کے حاملین میں ذوق خدا طلبی سر فہرست رہتا ہے۔ جناب نصرت علی صاحب نے اپنے مقالہ میں اسلامی تہذیب کے عناصر کا ذکر کرتے ہوئے اس نکتہ کی اچھی تشریح کی ہے۔ سیاست وتہذیب سے دین کے اس گہرے رشتے کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اسلامی تہذیب کا اہم عنصر عقیدۂ توحید ہے اور یہی وہ عنصر ہے جس نے مختلف عادات و رجحانات کی حامل اقوام کو ایک لڑی میں پرو دیا تھا۔ اسلام کے سیاسی نظام کا رشتہ دین

سے کس قدر ہے؟ اس کو واضح کرنے کے لیے مولانا محمد جرجیس کریمی نے' اسلام کا سیاسی نظام اور محدثین کا نقطہ نظر' عنوان اختیار کیا ہے اور پورے توازن کے ساتھ سیاسی نظام کو شریعت کے جزء کے طور پر پیش کرنے میں کام یاب ہوئے ہیں۔ یہ مقالہ اپنی جگہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

اس مجموعہ میں شامل متعدد مقالات میں یہ خیال پیش کیا گیا ہے کہ اسلامی تہذیب وسیاست مادیت کی ہوس سے پاک ہے، اس میں خالص مادی اور استحصالی ذہن کی قطعی گنجائش نہیں، اس کا روحانی پہلو اس کا طرہ امتیاز ہے، فکر معاد وہ محور ہے جس کے ارد گرد اسلامی تہذیب وسیاست گھومتی ہے، اس کی بنیاد دنیا طلبی کے بجائے خدا طلبی پر ہے۔ اس حقیقت کی طرف بھی خاصے اشارے اس مجموعہ کا حصہ ہیں کہ تہذیب اسلامی پر تیشہ چلانے کا کام غیروں کے ساتھ جو مسلم نام کے ان کے ان شاگردوں نے بھی خوب انجام دیا ہے جدید تعلیمی نظام کی ناقص تربیت کی پیداوار ہیں۔ یہ حضرات اسلام کے سیاسی نظام کو ناکام بتاتے ہیں اور اس کی تہذیب کی پرشکوہ عمارت کو بھی ڈھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں اس کی قائدانہ صلاحیت، اس کی تاثیر اور وقت کے دھارے کے ساتھ چلنے، بلکہ اس کی قیادت کرنے کی صلاحیت میں شک ہے، ان کی طوطا چشمی اور قساوت قلبی سے آج اسلام پسند کراہ رہے ہیں، وہ تمام اسلامی نظام کو جدیدیت وعقلیت کے معیار پر پرکھنا چاہتے ہیں۔ ان حضرات کی پوری عمارت مستشرقین کے ملغوبوں پر کھڑی ہے۔ اسلام کے تعمیری کردار اور اس کے محاسن کو سمجھ پانا یا انہیں تسلیم کرنا ان بیمار ذہنوں کے لیے ممکن نہیں۔ اس ذہنیت کو سمجھانے کے لیے اس مجموعہ میں ڈاکٹر محمد رضی الاسلام صاحب کا مفید اور تجزیاتی مقالہ شامل ہے، جس میں انہوں نے علی عبدالرازق کی اس کتاب کا جائزہ پیش کیا ہے جس نے اس وقت کے معاشرے میں ہلچل اور اضطراب پیدا کر دیا تھا۔

اس مجموعے میں بعض بڑے قیمتی مقالے شامل ہیں۔ بالخصوص وہ جن میں اسلامی نظام اور عہد حاضر کے تہذیبی یا سیاسی رویوں کا تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے اور